

اسلام برگ

اوڈیسی اکیڈمی (Odyssey Academy) بچوں کا ایک سکول ہے۔ نیویارک کی گرلیں کاؤنٹی میں واقع یہ درسگاہ کافی عرصے سے قائم ہے۔ وہی بچوں کی زور دار آواز، اساتذہ کا شرارتیوں سے روکنا اور وہی بھرپور زندگی کے آثار۔ سکول میں وہی زندگی ہے جو امریکہ کے کسی بھی سکول میں ہو سکتی ہے۔ چند ہفتے پہلے ایک کلاس کے شروع ہونے میں تھوڑا سا وقت تھا۔ بچے اور بچیاں ٹیچر کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک طالبعلم نے بستے سے تصویر نکالی اور ڈیک پر ساتھ بیٹھے ہوئے بچے کو دکھانے لگا۔ الفاظ تھے کہ یہ تصویر سکول میں قتل عام کرنے والے ایک نئے طالبعلم کی بھی ہو سکتی ہے۔ تصویر دکھا کر دوبارہ بستے میں رکھ لی۔ جملہ غیر معمولی تھا۔ امریکہ میں سکولوں میں قتل عام کی وارداتیں کافی حد تک عام ہیں۔ تمام تر کوششوں کے باوجود یہ تو اتر سے مختلف ریاستوں میں ہوتی رہتی ہیں۔ ان تمام کا طریقہ کا تقریباً یکساں ہے۔ سکول کے بچوں میں سے کوئی مقامی شدت پسند، اسلحہ اور ایک جزوی کیفیت۔

تصویر دیکھنے والے بچے نے یہی جملہ سکول کی سیکیورٹی کو بتادیا۔ حفاظت پر معین افراد فوری طور پر مقامی پولیس کے پاس گئے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے ضابطہ کی کارروائی مکمل کی اور دونوں بچوں کو انٹرویو کرنا شروع کر دیا۔ ابتدائی پوچھ گچھ میں غیر معمولی معلومات مل گئیں۔ تصویر دکھانے والا بچہ ایک مقامی گروہ کے ساتھ کام کر رہا تھا جو باقاعدہ دہشت گردی کی ایک بھی نک واردات کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف تھا۔ اس میں اٹھارہ سے بیس برس کے چارنو جوان ملوث تھے۔ گھروں پر چھاپے سے چوبیں بندوقیں برآمد ہوئیں جو تمام لائسنس شدہ تھیں۔ ساتھ ساتھ تین خود ساختہ بم بھی نکلے۔ بچے سمیت تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ گھروں کی تلاشی، تفتیش اور گرفتاریاں، باقاعدہ قانونی کارروائی مکمل کرنے کے بعد عمل میں لائی گئی۔ اس میں عدالت سے جاری شدہ سرچ وارنٹ اور عدالت ہی سے جاری شدہ گرفتاری کے احکامات بھی تھے۔ یہ منصوبہ تھا کیا۔ دراصل نیویارک کے 150 میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی جگہ ہے جس کا نام کیٹ سکل ماؤنٹین (Catskill Mountain) ہے۔ زیادہ تر سیاہ فام لوگوں پر مشتمل ہے۔ تمیں سال پہلے یہ ایک پاکستانی صوفی بزرگ سید مبارک علی شاہ گیلانی سے متاثر ہوئے اور "اسلام برگ" کے نام سے ایک نوآبادی بنائی۔ یہ اپنے پاکستانی مرشد کے احکامات کے مطابق اسلامی رسومات ادا کرتے ہیں۔ مسجد بھی بنائی گئی۔ یہ سیاہ فام مسلمان اسلام برگ میں اپنے ذاتی مذہبی رجہنات کے عین مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ تین دہائیوں سے ان امن پسند لوگوں نے کوئی ایک حرکت نہیں کی جس سے مقامی انتظامیہ کو کوئی شکایت ہو۔ اوڈیسی اکیڈمی کا طالبعلم اور اسکے چارنو جوان ساتھی اسی مسلمان یعنی پر بموں سے حملہ کرنا چاہتے تھے اور مقامی مسلمانوں کو عبرتاک سبق سکھانا چاہتے تھے۔ یہ نوجوان امریکی قوانین کے مطابق دہشت گردی کی ایسی واردات کی منصوبہ بندی کر رہے تھے جس میں مقامی مسلمانوں کی جان جا سکتی تھی۔ منصوبہ بندی کرنے والے تمام افراد اس وقت گرلیں کاؤنٹی کی پولیس کی حرast میں ہیں۔ اسلام برگ کو تباہی سے بچانے سے پہلے مقامی پولیس نے تمام قانونی تقاضے پورے کیے۔ گھروں پر ریڈ کرنے سے پہلے عدالت کے سامنے تمام حقائق رکھے۔ جو کو مطمئن کیا کہ وہ امریکی شہریوں کو قتل عام سے محفوظ رکھ رہے ہیں۔ ٹھوس شواہد پیش کرنے کے

بعد گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ خلاف ضابطہ کوئی حرکت عمل میں نہیں لائی گئی۔ اجازت کے بغیر کسی بھی انسان کی شخصی آزادی اور انسانی حقوق کو پامال نہیں کیا گیا۔ یہ ایک ایسے ملک کا اندوں فی قصہ ہے جو پوری دنیا میں جنگ کی کیفیت میں ہے اور یہ خوفناک جنگ مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے۔ تمام تر معاملات کے باوجود، امریکہ کے اندر پولیس یا ریاستی ادارے کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتے جو قوانین کے دائرے سے باہر ہو۔ کسی کو بغیر اجازت نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہ بھی درست ہے کہ چند مقامات پر پولیس نے اپنی حدود سے تجاوز کیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصے میں ایسے تمام عناصر کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی گئی۔ امریکہ طویل عرصے دہشت گروں کا ٹارگٹ ہے۔ مگر وہاں کے اداروں نے 9/11 کے بعد پورے ملک میں دہشت گردی کا کوئی بڑا واقعہ نہیں ہونے دیا۔ 9/11 کے بعد نئے قوانین بنائے گئے۔ جدید ترین خلوط پر ادارے ترتیب دیے گئے۔ قوانین پر عمل درامد ہوا اور آج امریکی شہری ممکنہ حد تک کسی بھی دہشت گردی سے محفوظ ہے۔ کم از کم ہمارے جیسے ممالک سے تو ہزار ہادر جے، ہتر احساسِ حفاظت سے زندگی گزار رہے ہیں۔

دہشت گردی کے حوالے سے پاکستان بھی ایک عذاب میں مبتلا ہے۔ لاعداد شہری اور عسکری اداروں کے افراد شہید ہو چکے ہیں۔ کوئی انکی تعداد ایک لاکھ بتاتا ہے تو کوئی ستر ہزار۔ مگر حق یہ ہے کہ ہمارے ملک اور شہریوں نے دہشت گردی کی جنگ میں بے حد جانی اور مالی نقصان اٹھایا ہے۔ مالی نقصان اس قدر زیاد ہے کہ لکھتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ محتاط جائزے کے مطابق یہ نقصان میں ارب ڈالر سے بھی زیادہ ہے۔ غیر متعصب جائزے کے مطابق پاکستان نے دہشت گردی کو ختم کرنے کے عمل میں حد درجہ اعلیٰ کا میا بیاں حاصل کی ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اس ازدھے کا سر کچلنے کیلئے فوج، فضائی، پیرامٹری فورس، خفیہ اداروں اور پولیس نے حد درجہ محنت کی ہے۔ اس غیر معمولی کامیابی کو نظر انداز کرنا حد درجہ انصافی ہو گی۔ مگر سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ کیا ہم نے ایسے بہترین ادارے ترتیب دیے ہیں جو اس عفریب کا جدید تقاضوں کے مطابق مقابلہ کر پائیں۔ اسی سوال کو ساہیوال کے سانحہ کے تناظر میں دیکھنا آخذ حضوری ہے۔ ساہیوال کے اہن دوناک واقعہ میں مارے جانا والا شہری القاعدہ کے ساتھ منسلک تھا کہ نہیں۔ اسکی بیوی اور بچے ہیومن شیلڈ کے طور پر استعمال ہو رہے تھے کہ نہیں۔ انکی گاڑی اور گھر سے جیکیشیں اور اسلحہ برآمد ہو پایا یا نہیں۔ مارے جانے والے شہریوں کی منصوبہ بندی کا میا بہو پائی یا نہیں۔ یہ تمام سوالات موجودہ صورتحال میں قابل توجہ نہیں رہے۔ سوال صرف ایک ہے کہ کیا ہمارے ادارے اس درجہ غافل اور غیر تربیت یافتہ ہیں کہ ہر قانون سے بالاتر ہو کر کسی بھی جگہ پر خون کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔ کیا عدم توازن کا اس درجہ بیکار ہیں کہ جامعہ منصوبہ بندی کے بغیر کسی بھی مقام پر کسی بھی شہری کو قتل کر سکتے ہیں۔ یہ سوال حد درجہ اہم بھی ہے اور اس پر بات کرنی ضروری بھی ہے۔

ہمارے تمام ادارے جو دہشت گردی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ انکی ساکھ داؤ پر لگ چکی ہے اور ساتھ ساتھ انکی خامیاں بھی طشت از بام ہو چکی ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں ساہیوال کے سانحہ میں سی ٹی ڈی کے متعلق بات کروں۔ ضروری سمجھتا ہوں کہ گوش گزار کروں کہ ہم لوگ حالت جنگ میں ہیں۔ یہ جنگ کیسے شروع ہوئی۔ اس میں کون کون سی شخصیات نے کیا کردار ادا کیا۔ دہشت گردی کے سانپ کو کس کس سیاسی اور مذہبی جماعت نے دو دھ پلا یا۔ ان سوالات پر بحث لا حاصل ہے۔ سادہ مگر یہ چیز مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں دہشت گروں کو با قاعدہ منصوبہ بندی سے کام لیکر پالا پوسا گیا ہے۔ یہ معاملات دہائیوں سے چل رہے تھے۔ کے پی کے قبائلی علاقے، جنوبی

پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے متعدد علاقوں میں شدت پسندی جڑ پکڑ رہی تھی۔ مگر ہم خاموشی سے صرف دیکھ رہے تھے۔ مساجد اور مدارس کے ساتھ مہیبِ اسلام خانے وجود میں آرہے تھے۔ مگر ہم چپ کے روزہ سے تھے۔ ہمارے قبائلی علاقوں میں ہر سطح کے ملزم اور مجرم پناہ لے رہے تھے، مگر ہم انہیں گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔ قتل، اغوا و برائے تاوان کے ملزم تمام تزویراتیں کرنے کے بعد قبائلی علاقوں میں چلے جاتے تھے اور ہم مجبوری سے صرف تماشہ دیکھتے رہتے تھے۔ مدارس کے اندر شدت پسندی پر مشتمل تدریس بلا روک ٹوک کے جاری و ساری تھی مگر یا سرت صرف تماشائی تھی۔ ویسے اکثر مدارس میں نصاب میں آج تک کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی۔ بے شمار معاملات کو مسلسل نظر انداز کرنے کے بعد جب عسکری ادارے بذاتِ خود حملوں کا شکار ہوئے ہیں، اس وقت ہم خوابِ خرگوش سے جاگے ہیں اور دہشت گروں کے خلاف موثر جنگ کا اعلان ہوا ہے۔

ہمیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ جنگ کے دوران حالاتِ حد درجہ غیر معمولی ہوتے ہیں۔ انسانی حقوق کو اس طریقہ سے برقرار نہیں رکھا جاسکتا جس طرح امن کے دوران ہوتا ہے۔ مگر اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس دورانیہ میں عام شہریوں کی جان اور مال محفوظ نہیں ہوتے۔ یہ ایک باریک تو ازن ہے جسے کامیاب ریاستیں حاصل کر چکی ہیں۔ مگر ہمارے جیسی عجیب و غریب مفروضے پالنے والے ملک اس تو ازن کر ہرگز ہرگز حاصل نہیں کر سکے۔ اگر ہم اپنی کاتا ہیوں سے مکمل طور پر پردہ پوشی کریں گے تو ہمارے ادارے غلطیاں در غلطیاں کرتے چلے جائیں گے۔ ساہیوال جیسے واقعات تو اتر سے ہوتے جائیں گے۔ دہشت گرد بھی لوگوں کو قتل کریں گے اور ہمارے ادارے بھی کمال کوتا ہی سے بے گناہ لوگوں کی جان لیتے جائیں گے۔ ان معاملات کو سنجیدگی سے حل کرنے کی ضرورت ہے۔ پر کھنے کی ضرورت ہے۔ نیم تربیت یافتہ اہلکاروں کے ہاتھوں میں مہلک اسلحدیکر چین کی نیند نہیں سویا جاسکتا۔ ضرورت ہے کہ ارباب اختیارات انتہائی ٹھنڈے طریقے سے دہشت گردی کے خلاف لڑے والوں کی منظم اور مسلسل تربیت کی جانب غور کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہر معاملہ کو دلیل کی بنیاد کے بغیر صرف بیانات سے حل کرنے کی کوشش کریں۔ ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے۔ ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اداروں کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ امریکی پولیس اگر اسلام برگ کو بروقت اقدام سے محفوظ رکھ سکتی ہے، تو ہم کیوں اس میں ناکام ہو رہے ہیں۔ دہشت گردی کی جنگ میں عوامی رائے عامہ اور مدد کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ ہاں، اس خوفناک جنگ میں ناکامی کوئی آپشن نہیں ہے! معاملہ صرف اور صرف تو ازن کا ہے!

راوِ منظر حیات